اختر راہی

علّامہ موسیٰ جار اللہ

(۱۸۷۵ء — ۱۹۴۹ء)

برصغیر پاکستان و ہند کے مسلمان ماضی قریب کے جن روسی علماء و فضلاء کے ناموں سے بخوبی واقف ہیں، ان میں سے ایک نمایاں نام علّامہ موسیٰ جار اللہ کا ہے۔ موسیٰ جار اللہ نے اپنی زندگی کے چند سال برصغیر میں گزارے اور یہاں کے اہل علم و نظر سے استفادہ کیا۔ نیز اپنے افکار و خیالات اور طرزِ زندگی سے ان لوگوں کو بالخصوص متاثر کیا جو ان کے نزدیک رہے اور جب ان کی رحلت پر دارالمصنّفین کے ناظم اور ماہنامہ "معارف" (اعظم گڑھ) کے مدیر شاہ معین الدین احمد ندوی (م ۱۹۷۸ء) نے لکھا کہ "اُن کے علمی شغف و انہماک کو دیکھ کر علمائے سلف کی یاد تازہ ہوتی تھی۔" تو اس میں صداقت تھی۔ اسی طرح ان کی مجلس کے ایک حاضر باش مولانا سعید احمد اکبر آبادی (م ۱۹۸۵ء) نے اُنہیں "علم کا بحر ناپیدا کنار" ہونے کے باوصف "غضب کا درویش منش اور قلندر صفت" قرار دیا۔ "جس کا مطالعہ نہایت وسیع، حافظہ بلا کا اور دماغ بڑا روشن تھا۔"

ابتدائی زندگی

موسیٰ جار اللہ ترک قبیلے آلتی اغول کے چشم و چراغ تھے۔ اُن کے والد عبدالکریم جار اللہ (م ۱۸۸۱ء) صاحبِ علم و فضل تھے اور عموماً آخوند عبدالکریم جار اللہ کے نام سے یاد کیے جاتے تھے۔ موسیٰ جار اللہ نے ۶ جنوری ۱۸۷۵ء کو جنوبی روس کے شہر روستوف میں آنکھیں کھولیں جو دریائے ڈون کے دہانے پر اور بحیرۂ اَزوف کے شمال مشرقی ساحل پر واقع ہے۔

موسیٰ جار اللہ ابھی لڑکپن میں تھے کہ اُن کے والد کا انتقال ہو گیا اور والدہ نے خاندان کی دینی و علمی روایات کا پاس کرتے ہوئے اُنہیں کازان کے مدرسہ گول بویو میں داخل کرا دیا۔ یہ مدرسہ اپنے وقت کی معروف اور اچھی درسگاہوں میں شمار ہوتا تھا۔ اُن کے بڑے بھائی محمد ظاہر بیگی بھی یہیں زیر تعلیم تھے تاہم موسیٰ جار اللہ اس مدرسے میں زیادہ دیر قیام نہ کر سکے اور واپس وطنِ مالوف روستوف آ گئے جہاں ۱۸۹۵ء میں ایک سرکاری مدرسے میں داخل ہوئے۔

روستوف میں چنداں قیام کے بعد بخارا گئے اور تین چار سال وہاں مقیم رہے۔ بخارا سے متوسّطات کی تعلیم کے بعد استانبول اور پھر قاہرہ روانہ ہوئے جہاں انہوں نے ممتاز علماء سے استفادہ کیا۔ مصر میں اُن کی ملاقات معروف مصلح اور جدّت پسند عالم مفتی محمد عبدہ سے ہوئی۔ موسیٰ جار اللہ مصر سے حجاز اور برصغیر آئے اور کئی سالوں کی تعلیمی سیاحت کے بعد ۱۹۰۴ء میں روستوف واپس پہنچے۔ وطنِ مالوف میں قیام رہا۔ ۱۹۰۸ء میں اُن کی والدہ کا انتقال ہوگیا، جس کے بعد وہ سینٹ پیٹرز برگ چلے گئے اور یونیورسٹی کے شعبۂ قانون میں داخل ہو کر جدید قانون کا مطالعہ شروع کیا۔

عملی زندگی کا آغاز

۱۹۱۰ء میں موسیٰ جار اللہ نے اور نبرگ کے مدرسہ حسینیہ میں عربی زبان و ادب اور تاریخِ مذاہب کے استاد کی حیثیت سے عملی زندگی کا آغاز کیا۔ مسلم دُنیا کے ایک حصّے کی سیاحت، عربی اور فارسی زبانوں کے ذریعے وسطی ایشیا اور روس سے باہر کے مسلمانوں کی علمی و فکری تحریکوں سے آگاہ ہونے کے باعث اُن کے افکار و خیالات میں اسی عرصے میں ایسی تبدیلیاں آنے لگی تھیں جو ان کی مخالفت کا سبب بنیں۔ مدرسہ حسینیہ کے رفقائے کار سے اُن کی نہ بن سکی اور اُنہیں اپنے "شاذ افکار" کے لیے پہلی قربانی یہ دینی پڑی کہ اور نبرگ کی ملازمت چھوڑ دیں۔

زارانِ روس کی استبدادی حکومت میں بیسویں صدی کے آغاز سے آزادیِ اظہار میں اضافہ ہونے لگا تھا اور اہلِ دانش اور مزدور باہم منظم ہونے لگے تھے۔ اس صورت حال سے مسلمانوں نے بھی استفادہ کیا اور رسائل و جرائد کے ذریعے اپنی فکر کا اظہار کرتے رہے۔ ۱۹۱۴ء میں موسیٰ جار اللہ نے ترکی زبان میں ایک کتاب "اصلاحات کی بنیادیں" تالیف کی جو روسی مسلمانوں کی بیداری اور سیاسی جدوجہد میں ایک مقام رکھتی ہے۔

موسیٰ جار اللہ نے قاضی رشید ابراہیم کے تعاون سے پیٹرز برگ سے ایک اخبار "التلمیذ" جاری کیا۔ پھر "امانت" کے نام سے ایک مطبع قائم کیا اور ۱۹۱۷ء تک اُن کے نام پر اٹھارہ کتابیں چھپ چکی تھیں جو دینی مباحث اور اسلام و جدیدیت کی کشمکش سے متعلق تھیں۔

اشتراکی انقلاب (۱۹۱۷ء)

۱۹۱۷ء کے انقلاب کے بعد موسیٰ جار اللہ نے سیاسی سرگرمیوں سے علیحدگی اختیار کر لی۔ اس عرصے میں اشتراکی علاقے میں آباد رہے اور اشتراکیت مخالف علماء اور زعماء کا کوئی ساتھ نہ دیا۔ ایک دو دفعہ روس سے باہر گئے اور واپس آگئے۔ یہ سب کچھ اشتراکیت مخالف علماء کو باور کرانے کے لیے کافی تھا کہ وہ لینن کے رفقاء میں سے ہیں۔ اور اگر اُن کے افکار کا جائزہ لیا جائے تو اس سے یہ احساس کمزور ہونے کے بجائے پختہ ہی ہوتا ہے کہ وہ لینن کے شریکِ کار تھے۔

اشتراکیت پسند علماء بہر حال مسلم شناخت سے دستبردار ہونے کو تیار نہ تھے۔ ۱۹۲۰ء میں جب اوفا میں علماء کانفرنس منعقد ہوئی تو اس میں موسیٰ جار اللہ نے ۶۸ دفعات پر مشتمل ایک مسوّدہ پیش کیا جس میں مسلمانوں کی دینی و ثقافتی آزادی اور خود مختاری پر زور دیا۔ کمیونسٹ حکمرانوں نے اس مسوّدے کو کوئی اہمیت نہ دی۔

موسیٰ جار اللہ کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ نہ صرف روس اور ترکستان میں رہنے والے مسلمان ایک وحدت ہیں بلکہ وہ خطے سے باہر ملّت اسلامیہ کا حصہ ہیں۔ اس لیے روس میں صوبوں اور ریاستوں کی تقسیم انہیں حقیقتاً منقسم نہیں کر سکتی لہذا "مسلم وحدت" اور اُن کی مذہبی شناخت کو تسلیم کیا جائے۔

اشتراکی قیادت سے علیحدگی

۱۹۲۰ء میں اوفا کانفرنس میں حصہ لینے کی بنا پر تو موسیٰ جار اللہ کے خلاف اقدام نہ کیا گیا تاہم ۱۹۲۱ء میں جب وہ تاشقند میں تھے، گرفتار کر لیے گئے اور تقریباً گیارہ ماہ قید میں رہے۔

رہائی کے بعد انہوں نے تصنیف و تالیف کی جانب توجہ دی اور ۱۹۲۳ء میں اُن کی ایک کتاب معروف کاویانی پریس - برلن سے شائع ہوئی جو "اسلام کے مبادیات" کے موضوع پر تھی اور حقیقتاً یہ کمیونسٹ رہنما بخارن کی تالیف "مبادیات کمیونزم" کے جواب میں تھی۔ اس کتاب کی اشاعت پر وہ کمیونسٹ دوستوں سے بالکل کٹ گئے اور گرفتار کر کے ماسکو جیل میں ڈال دیے گئے۔

موسیٰ جار اللہ کی تصنیف و تالیف اور سفر و سیاحت نے انہیں ترک علاقوں میں مقبول بنا دیا تھا چنانچہ اُن کی گرفتاری پر احتجاج ہوا اور بالخصوص فن لینڈ میں آباد کازانی ترکوں نے اُن کی رہائی کے لیے بھاگ دوڑ کی۔ حتیٰ کہ ترکی حکومت کی مداخلت پر تین ماہ بعد موسیٰ جار اللہ قید سے باہر آ گئے۔

۱۹۲۶ء میں مفتی رضا الدین کی سربراہی میں روسی مسلمانوں کا ایک وفد ابن سعود کی مؤتمر عالم اسلامی میں شرکت کے لیے مکہ معظمہ گیا تو موسیٰ جار اللہ اس میں شامل تھے، اس کے بعد وہ ایک دو بار ترکی گئے اور ایک بار فریضۂ حج ادا کیا مگر ہر بار وطن واپس آتے رہے۔

تاہم جوں جوں وقت گزر رہا تھا، اشتراکی انقلاب مضبوط ہوتا جا رہا تھا اور وہ مسلمان اہل دانش جنہوں نے اصلاح کے پیشِ نظر اور جابر و خودسر مسلمان رہنماؤں کو جمہوری سبق سکھانے کے لیے اشتراکیوں کے ساتھ تعاون کیا تھا، اُن پر واضح ہونے لگا کہ اشتراکیت اپنے اقتدار میں انہیں "مسلمان" کی حیثیت سے شامل نہیں کر سکے گی۔ مساجد بند ہونے لگیں اور مسلم ثقافتی علامات تک مٹانے کی شعوری کوششیں شروع ہوئیں تو سابق اشتراکیت دوست دانشوروں میں سے بعض تو روسی عقوبت خانوں کا شکار ہو گئے۔ کچھ جان بچا کر ترکستان آئے اور بصماچی تحریک میں شامل ہو گئے اور کچھ نے جلاوطنی قبول کر لی۔ ان آخر الذکر لوگوں میں سے ایک موسیٰ جار اللہ تھے۔ ۱۹۳۰ء کے آخر میں انہوں نے ہمیشہ کے لیے اپنا ملک

چھوڑ دیا۔

ترکِ وطن

ترکستان اور پامیر سے ہوتے ہوئے افغانستان گئے۔ چار ماہ سے زیادہ عرصہ گھوڑوں پر سفر کر کے کابل آئے اُن کے بقول سفر میں "جن مصیبتوں سے سامنا کرنا پڑا، انہیں کبھی بھلایا نہیں جاسکتا۔" افغانستان میں نادر شاہ نے انہیں سرکاری مہمان بنایا تاہم چالیس روز کے بعد کابل سے برصغیر آ گئے اور چھ سال دنیائے اسلام میں گھومتے پھرتے رہے جس کی کچھ تفصیل آئندہ صفحوں میں آرہی ہے۔

علمائے برصغیر سے استفادہ

علماء برصغیر میں سے جس عالم سے موسیٰ جار اللہ نے از حد استفادہ کیا، وہ مولانا عبید اللہ سندھی (م ۱۹۴۴ء) کی ذات گرامی ہے۔ ۱۹۱۴ء میں پہلی عالمی جنگ شروع ہوئی تو شیخ الہند مولانا محمود حسن (م ۱۹۲۰ء) نے حصول آزادی کی ایک عسکری کوشش کا منصوبہ بنایا جو "ریشمی رومال تحریک" کے نام سے معروف ہے۔ مادی وسائل، بین الاقوامی حالات اور مسلم شاہانِ وقت کی سوچ کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس منصوبے کی کامیابی کے امکانات بہت محدود تھے تاہم "دلِ ناتواں کے مقابلے" اور آزادی کی محبت کے حوالے سے اس جذبے کے بلند ہونے میں کوئی شبہ نہیں تھا۔ اسی منصوبے کے سلسلے میں حضرت شیخ الہندؒ نے اپنے شاگرد مولانا عبید اللہ سندھی کو کابل روانہ کیا۔ (اکتوبر ۱۹۱۵ء) اس کے بعد شیخ الہند خود حجاز تشریف لے گئے مگر ابھی شیخ الہند کا منصوبہ اپنے حتمی مرحلے میں داخل نہیں ہوا تھا کہ انہیں گرفتار کر لیا گیا اور اُن کے سیکڑوں وابستگان زیرِ عتاب آ گئے۔

اس عرصے میں روس میں اشتراکی انقلاب برپا ہو چکا تھا اور استعمار دشمنی میں پیش پیش بعض بزرگوں نے اس انقلاب سے امیدیں وابستہ کر لی تھیں۔ مولانا سندھی جو کابل میں مقیم تھے اور حکومتِ کابل نے اُن پر طرح طرح کی پابندیاں عائد کر رکھی تھیں، وہ اپنے بعض رفقاء کے ساتھ ماسکو تشریف لے گئے۔ مولانا سندھی تقریباً آٹھ ماہ (دسمبر ۱۹۲۲ء - جولائی ۱۹۲۳ء) روس میں رہے۔

موسیٰ جار اللہ، مولانا عبید اللہ سندھی کی ملاقات کے لیے ماسکو گئے اور کئی روز اُن کے ساتھ رہے۔ جب مولانا سندھی اور اُن کے رفقاء ماسکو سے پیٹرز برگ آئے تو وہ موسیٰ جار اللہ ہی کے مہمان تھے۔ اُن کے اپنے الفاظ میں

> "میں نے پہلی مرتبہ [مولانا سندھی] مرحوم کو اُس وقت دیکھا تھا جب وہ لینن کی زندگی میں روس کے دارالسلطنت ماسکو تشریف لائے تھے اور اعیانِ حکومت نے اُن کا استقبال کیا تھا۔
>
> --- میں بھی ماسکو پہنچا تاکہ مولانا کا استقبال کروں اور آپ کی زیارت سے استفادہ کروں۔

میں مولانا کی صحبت میں بہت روز تک رہا اور خود مولانا بھی اکثر و بیشتر صبح و شام میرے گھر تشریف لایا کرتے تھے۔

پھر مولانا کو میں نے روس کے دوسرے بڑے شہر لینن گراڈ [سینٹ پیٹرز برگ] میں مدعو کیا۔ مرحوم نے حکومت سے اجازت طلب کی اور پھر آپ اپنے نوجوان ہندوستانی ساتھیوں کی ہمراہی میں جو روس کے کالجوں کے طالب علم تھے، لینن گراڈ تشریف لائے، میں نے اُن کا استقبال کیا اور حکومت روس کی طرف سے بھی استقبال کیا گیا۔ مولانا مرحوم نے میرے مکان پر ٹھہرنا پسند فرمایا اور میرے گھر کو ماہ رمضان میں دو ہفتے تک اپنے قیام سے مشرف فرمایا۔"

۱۹۲۳ء میں موسیٰ جار اللہ نے روس سے ترکی کا سفر کیا تو مولانا سندھی استانبول میں مقیم تھے۔ دونوں حضرات کی ملاقاتیں رہیں۔ مولانا سندھی استانبول سے اگست ۱۹۲۶ء میں حجاز تشریف لے گئے اور ۱۳ سال (اگست ۱۹۲۶ء - ۱۹۳۹ء) حرم شریف میں مقیم رہے۔ قیام حجاز مقدس میں موسیٰ جار اللہ کو مولانا سندھی سے بھرپور استفادے کا موقع ملا۔ اُن کے اپنے الفاظ میں

جب میں ۱۳۵۶ھ [۱۹۳۷ء] میں سیاحتِ نجد و یمن کے لیے مکّہ مکّرمہ پہنچا تو میں نے حرم مکّہ میں امام عبیداللہ بن اسلام کو پایا---

میں پہلے سے اس استاد شفیق کو جانتا تھا اور مجھے بھی وہ جانتے تھے۔ میں نے دیکھا کہ وہ مکّہ مکّرمہ میں فارغ بیٹھے ہوئے ہیں اور ان کے پاس تک کوئی نہیں پھٹکتا۔ اور شاذ و نادر ہی کوئی شخص ان کے پاس جا کر بیٹھتا اور وہ بھی استفادہ کی غرض سے نہیں بلکہ حسب عادت تبرک حاصل کرنے کی غرض سے۔

--- میں نے امام سندھی سے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی کتابیں پڑھیں مثلاً الخیر الکثیر، بدور البازغہ، سطعات، الطاف القدس اور تاویل الاحادیث، از خود التفہیمات کا مطالعہ کیا اور عبقات امام سندھی سے پڑھی۔

جب میں امام شاہ ولی اللہ دہلوی کے فلسفہ سے بہت کچھ آگاہ ہوگیا تو مجھے بھی شوق و رغبت ہوئی کہ امام شاہ ولی اللہ کے فلسفہ کے مطابق قرآن کی تفسیر پڑھوں۔ میں نے مولانا سندھی سے اس کی درخواست کی اور ان سے اپنا ارادہ ظاہر کیا تو وہ بہت خوش ہوئے اور حق یہ ہے کہ مجھ سے زیادہ وہ میرے ان خیالات سے خوش ہوئے اور اس بارے میں بڑے شوق کا اظہار کیا۔

میں نے امام شاہ ولی اللہ کے فلسفے کے مطابق قرآن کریم کی تفسیر کو اپنانے میں

پوری پوری کوشش کی۔ ہر روز طلوع آفتاب سے لے کر ظہر کی نماز یا عصر کی نماز تک امام سندھی سے استفادہ کا یہ سلسلہ جاری رہتا۔ وہ عربی میں جو کچھ فرماتے، میں اس کو لکھ لیتا اور میری پوری پوری کوشش تھی کہ اس املاء و کتابت میں ایک جُملہ بھی نہ چھوٹ جائے چنانچہ میں نے ایک سو پچاس دنوں میں ایک ہزار چار سو صفحات لکھ ڈالے۔ ۱۸ جمادی الاولیٰ پیر کے دن ۱۳۵۶ھ سے لے کر ۱۳ ذیقعدہ ۱۳۵۶ھ تک یا ۲۶ جولائی ۱۹۳۷ء سے لے کر ۱۳ جنوری ۱۹۳۸ء تک یہ کام میں نے انجام کو پہنچا دیا۔"

مولانا عبید اللہ سندھی کے ہم وطن علامہ اقبال سے بھی موسیٰ جار اللہ کا ربط تھا۔ گو اس ربط کو مولانا سندھی کی شاگردی کی طرح کا ربط نہیں سمجھنا چاہیے۔ ۱۹۳۱ء میں علامہ اقبال جب دوسری گول میز کانفرنس (لندن) میں شرکت کے بعد واپسی میں بیت المقدس میں مؤتمر اسلامی میں شامل ہوئے تو اس مؤتمر کے ایک مندوب موسیٰ جار اللہ بھی تھے۔ اُنھوں نے اپنے دوسرے ترکستانی ساتھیوں کے ساتھ مؤتمر کے شرکاء کو اشتراکی حکومت کے ظلم و ستم سے آگاہ کیا۔ شاید یہیں اُن کی علامہ اقبال سے پہلی ملاقات ہوئی تھی۔ اس کے بعد جب موسیٰ جار اللہ ۱۹۳۵ء میں برصغیر آئے تو علامہ اقبال سے اُن کی ملاقاتیں رہیں۔ جناب عبدالرشید طارق نے علامہ اقبال کی مجلس میں گزرے ہوئے لمحات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جنوری ۱۹۳۵ء میں

> "ایک پست قامت، سپید رنگ، کہنہ سال اجنبی حاضر ہوا۔ اس کے پاؤں میں بھاری بھر کم فل بوٹ تھے، بدن پر سیاہ لبادہ تھا اور سر پر سیاہ رنگ کی قراقلی اور ہاتھ میں جاوید نامہ کا ایک نسخہ تھا۔ السلام علیکم کہا اور ڈاکٹر صاحب کے پاس کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس کا لہجہ غیر مانوس لیکن فاضلانہ تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ ایرانی النسل ہے اور جب اس نے فارسی میں گفتگو کی تو اندازہ پختہ ہو گیا۔ اس کی فارسی بالکل جدید تھی۔ کچھ لہجہ بھی ویسا تھا۔ میں پوری طرح نہ سمجھ سکا تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے ہمارا تعارف کرایا تو معلوم ہوا کہ نووارد کا نام موسیٰ جار اللہ ہے اور وہ روسی عالم اور جیّد ہیں ---"

سیاحت شرق و غرب

دسمبر ۱۹۳۱ء میں مؤتمر اسلامی میں شرکت کے بعد موسیٰ جار اللہ فن لینڈ چلے گئے۔ وہاں سے پہلی ترک تاریخی کانگرس میں شرکت کے لیے انقرہ آئے۔ انقرہ سے مشرق وسطیٰ کی سیاحت کرتے ہوئے ۱۹۳۲ء میں واپس فن لینڈ گئے۔ پھر برلن جا کر ایک پریس لگایا اور نشر و اشاعت کے کام میں مصروف رہے۔

۱۹۳۵ء میں دوسری بار برصغیر آئے۔ دو سال کے قیام کے بعد جاپان اور چین کا سفر کیا تاہم

جب ۱۹۳۹ء میں دوسری عالمی جنگ شروع ہوئی تو وہ برصغیر میں تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ افغانستان میں رہائش پذیر ہو جائیں مگر حکومت برطانیہ نے اُنہیں شک و شبہ سے دیکھتے ہوئے پشاور میں قید کر دیا۔ تقریباً ڈیڑھ سال پس دیوار زنداں رہے اور جب نواب بھوپال حمید اللہ خان کی مدد سے قید سے رہا ہوئے تو بھوپال میں رہائش اختیار کرلی۔

وفات

وطن سے دور امن و سکون سے عاری زندگی نے انہیں اندر سے کھوکھلا کر دیا تھا۔ صحت خراب اور بصارت کمزور ہو گئی تھی۔ ۱۹۴۷ء میں ترکی گئے۔ اُن کا ارادہ تھا کہ انقرہ میں ایک مثالی درس گاہ قائم کریں جس میں تمام اسلامی زبانوں کا وسیع سرمایہ جمع کیا جائے۔ خود اُن کے پاس ترکی، عربی، فارسی اور اردو کا اچھا ذخیرہ کتب تھا جو ان کے احباب کے گھروں میں فن لینڈ، برلن اور قاہرہ میں محفوظ تھا۔ عالم اسلام میں اُن کے احباب کتب کی فراہمی کے لیے کمر بستہ تھے۔

ترکی کے حکمران عصمت انونو اور مارشل فوزی پاشا درس گاہ قائم کرنے میں اُن کے ہم نوا تھے۔ مگر ترکی میں جب اُنہیں اپنی بعض تحریریں عربی رسم الخط میں چھپوانے میں دقت پیش آئی تو وہ قاہرہ چلے گئے۔ واپسی پر انقرہ میں درس گاہ کے سلسلے میں اقدام کرنا چاہتے تھے مگر خدا کو منظور نہ تھا۔ قاہرہ میں ۲۵ اکتوبر ۱۹۴۹ء کو داعیٔ اجل کا پیغام آ گیا۔

تصنیف و تالیف

موسیٰ جار اللہ بنیادی طور پر ایک عالم اور مصنّف تھے۔ انہوں نے ترکی اور عربی میں، مولانا عبدالمجید حریری کے بیان کے مطابق سو سے زائد کتب تالیف کیں۔ جناب ثروت صولت نے "ترکی ادبیات کے انسائیکلوپیڈیا" کے حوالے سے تعداد ۱۲۰ درج کی ہے۔ ان کی کچھ کتابیں یہ ہیں۔

۱۔ الہام الرحمن فی تفسیر القرآن (عربی)

مولانا عبید اللہ سندھی کی وہی امالی تفسیر قرآن ہیں جن کا ذکر گزشتہ صفحات میں ہو چکا ہے۔ امالی کا اصل نسخہ جامعہ ملیہ - دہلی کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔ مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی کی نظر ثانی کے ساتھ سورہ فاتحہ اور سورہ بقرہ کی امالی بیت الحکمت - کراچی کی طرف سے شائع ہو چکی ہیں۔

الہام الرحمن فی تفسیر القران (عربی) کے شائع شدہ حصّے کا اردو ترجمہ مولانا محمد اسماعیل گودھروی نے انجام دیا جو شاہ ولی اللہ اکیڈمی (حیدر آباد - سندھ) کے مجلات "الرحیم" اور "الولی" میں بالاقساط شائع ہوتا رہا ہے۔ ماہنامہ الولی (حیدر آباد) بابت اکتوبر - نومبر ۱۹۹۰ء میں اس سلسلے کی بیسویں قسط شائع ہوئی ہے۔ مولانا گودھروی نے اپنے ترجمہ کا نام "تفسیر القاء القرآن" تجویز کیا ہے۔

"الھام الرحمٰن فی تفسیر القرآن" کا دوسرا اردو ترجمہ (آغاز یا سورہ توبہ) دو جلدوں میں کبیر والا (ملتان) سے ۱۹۷۷ء میں شائع ہوا ہے۔ تفسیر سورہ فاتحہ کا ترجمہ مولانا محمد قاسم اور باقی ترجمہ مولانا عبدالرزاق نے انجام دیا ہے۔

۲۔ حروف اوائل السور (عربی)

مولانا سندھی کے افادات پر مشتمل یہ کتاب موسیٰ جار اللہ نے خود سنٹرل انڈیا پریس بھوپال سے شائع کی تھی۔ قرآن مجید کے حروفِ مقطعات پر مولانا سندھی کے افکار و خیالات پیش کیے گئے ہیں۔

۳۔ کتاب ترتیب السور الکریمہ و تناسبہا فی النزول و فی المصاحف (عربی)

اس کتاب میں قرآن مجید کی سورتوں کو اُن کے نزول کے اعتبار سے ترتیب دیا گیا ہے اور ہر سورہ کا ربط و نظم نزولی اعتبار سے بیان کیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ مصاحف میں رسول اکرم ﷺ کی دی ہوئی ترتیب کے مطابق بھی سورتوں کے درمیان ربط دکھانے کی کوشش کی گئی ہے۔

قرآن مجید کو ترتیب نزول کے مطابق مرتب کرنے کی ابتدائی کوششیں غیر مسلم مستشرقین کی جانب سے ہوئیں مگر "ان میں سے بلا استثناء ہر ایک کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا --- اور انہوں نے اپنی ناکامی کا اعتراف کر لیا۔" مستشرقین کے دیکھا دیکھی برصغیر میں ۱۹۱۱ء میں مرزا ابوالفضل نے تاریخی ترتیب کے مطابق ترجمۂ قرآن شائع کیا مگر اس میں "ترتیب دراصل وہی ہے جو نوئل ڈیکے نے دی ہے۔ البتہ اتنا فرق ہے کہ شروع کی آٹھ سورتوں میں کچھ تبدیلیاں کی گئی ہیں۔"

مولانا عبیداللہ سندھی بھی قرآن کی تاریخی ترتیب کو سمجھنے کے داعی تھے اور اسی سلسلے میں ان کے شاگرد موسیٰ جار اللہ نے "ترتیب السور الکریمہ" تالیف کی۔ تاہم سچی بات یہ ہے کہ قرآن کی تاریخی ترتیب ایک مشکل بلکہ ناممکن کام ہے اور اسی لیے منصف مزاج اہل علم جنہوں نے اس میدان میں قدم رکھا، نزولی ترتیب کو آیات کی حد تک متعین کرنا ناممکن قرار دیتے ہیں۔ رسول ﷺ کی دی ہوئی ترتیب مستحسن ہے اور خود موسیٰ جار اللہ یہ کہتے ہیں کہ[15]

> "جو ترتیبِ تلاوت، کتابت، طباعت اور استدلال میں معتبر ہے وہ مصاحف والی ترتیب ہے نہ کہ نزول والی، پس جہاں تک ان تینوں امور کا تعلق ہے۔ نزولی ترتیب کو شارع حکیم نے اپنی زندگی میں منسوخ کر دیا [تھا]۔"

۴۔ فقہ القرآن الکریم (عربی - ۱۹۱۶ء)

علامہ جصّاص حنفی اور قاضی ابن العربی مکّی کی "احکام القرآن" کو مزید اضافات کے ساتھ فقہی ترتیب سے مدوّن کیا گیا ہے۔

۵۔ کتاب مصاحف الامصار

رسم مصاحف اور اس کی تاریخ پر بحث کی گئی ہے۔ یہ کتاب اصلاً مسیحی مؤلف پروفیسر ولیم آرتھر جیفرے کی تالیف پر نقد و نظر ہے جس میں پروفیسر جیفرے نے تدوینِ قرآن و کتابت مصاحف سے متعلق شاذ روایتوں سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ نعوذ باللہ متنِ قرآن بھی دوسری سماوی کتب کی طرح محفوظ نہیں۔

۶۔ ذوالقرنین و یاجوج

۷۔ شرح عقیلتہ اتراب القصائد

فن رسم و قرأت پر امام شاطبی کی منظوم کتاب "عقیلہ" کی شرح ہے۔

۸۔ تاریخ القرأت و تفسیر الاحرف السبعہ

۹۔ افادات الکرام فی شرح احادیث بلوغ المرام (عربی - ۱۹۰۸ء)

۱۰۔ صحیفتہ الفرائض (عربی - بھوپال: ۱۹۴۴ء)

محمد اسلم جیراجپوری (م ۱۹۵۵ء) کے عربی رسالہ "الوراثتہ فی الاسلام" پر تنقید و تبصرہ ہے۔ تاہم جیراجپوری صاحب سے اتفاق کرتے ہوئے یتیم پوتے کو وراثت کا حق دار بتایا گیا ہے۔

۱۱۔ القانون المدنی للاسلام (عربی)

اس کتاب پر موسیٰ جار اللہ نے تقریباً بیس سال کام کیا ہے۔ اسلام کے اجتماعی نظام قانون اور مغربی و اشتراکی قانون کے درمیانی تقابل کرتے ہوئے اسلامی احکام کی حکمت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

۱۲۔ القواعد الفقھیہ

۱۳۔ کتاب لامم الاسلام

۱۴۔ نظام الخلافتہ الراشدۃ الاسلامیہ الیوم

یہ واضح کیا گیا ہے کہ مختلف مسلم قومی ریاستیں کس طرح اپنا تشخص برقرار رکھتے ہوئے مرکزیت پیدا کر سکتی ہیں۔

۱۵۔ الصلوٰۃ والصیام فی طول اللیالی والایام

قطبِ شمالی کے علاقوں میں جہاں رات دن بہت طویل ہوتے ہیں، صلوٰۃ و صیام کے فرائض کی انجام دہی کس طرح کی جائے؟ یہی کتاب کا موضوع ہے۔

۱۶۔ کفّارۃ الافطار

۱۷۔ کتاب الزکوٰۃ

۱۸۔ کتاب السنہ

۱۹۔ رسالہ فی تامین الحیاۃ و تامین الاموال

جانی و مالی بیمہ کے جواز پر دلائل دیے گئے ہیں۔

۲۰۔ البنک فی الاسلام

۲۱۔ ایام حیاۃ النبی الکریم

دور نبوی کے تمام واقعات کی تحقیق و تعیین کے ساتھ ان کی شمسی تاریخیں دی گئی ہیں۔

۲۲۔ لم اعتبر الشرع فی الرویتہ الاہلہ

۲۳۔ نظام التقویم

۲۴۔ نظام النسی عند العرب قبل الاسلام

۲۵۔ اساس الشرع الاسلامی

۲۶۔ صرف القرآن

عربی زبان کے فنِ صرف پر رسالہ ہے جس میں مثالیں بیشتر قرآن مجید سے دی گئی ہیں۔

۲۷۔ الوشیعہ فی نقد عقائد الشیعہ

موضوع عنوان سے ظاہر ہے۔ ابتداً مکتبہ الخانجی - مصر سے شائع ہوئی تھی۔ کچھ عرصہ پہلے لاہور سے اوّلین اشاعت کا عکس چھپا ہے۔ مولانا محمد جعفر شاہ پھلواروی (م ۱۹۸۲ء) نے اس کا اردو ترجمہ کیا ہے۔

تلامذہ

موسیٰ جار اللہ کے شاگردوں کی تعداد کافی زیادہ ہے جو اُن سب ہی خِطوں میں پھیلے ہوئے ہیں، جہاں جہاں موسیٰ جار اللہ کا قیام رہا۔ اُن کے ایک جاپانی شاگرد ڈاکٹر توشی ہیکو ازٹسو (Toshihiko Izutsu) ہیں جو ۱۹۶۰ء کے عشرے میں میک گِل یونیورسٹی ماٹریال سے وابستہ تھے۔ مولانا سعید احمد اکبر آبادی جو میک گِل یونیورسٹی میں ان کے رفیق کار رہے، اُن سے ڈاکٹر ازٹسو کی داستان سنیے!

"اُن کا خاص فن جس میں اُنہیں امتیاز حاصل ہے، علم معانی ہے --- دس بارہ زبانوں کے فاضل اور ماہر ہیں۔ جن میں انگریزی، فرنچ، جرمنی، عبرانی، ترکی اور عربی شامل ہیں۔ اُن کا موضوع تحقیق جس پر انہوں نے بہت کچھ لکھا ہے اور لکھ رہے ہیں "قرآن کا مطالعہ علم المعانی کے نقطہ نظر سے" ہے۔ انہوں نے عربی زبان کس طرح سیکھی؟ اس کی داستان بھی بڑی دلچسپ اور سبق آموز ہے۔ کہتے تھے کہ میں ٹوکیو کے قرب و جوار کا رہنے والا ہوں۔ میرے وطن میں کوئی شخص ایسا نہیں تھا جس سے میں عربی پڑھ سکوں۔ اتفاق سے روس کے ایک بہت بڑے مگر جلاوطن عالم جن کا نام موسیٰ جار اللہ تھا --- جاپان تشریف لائے اور ٹوکیو کی مسجد کے ایک کمرے میں (یا کسی مکان پر! اب ٹھیک یاد نہیں رہا) قیام کیا۔ مجھے اطلاع ہوئی تو ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور عربی پڑھنے کا شوق ظاہر کیا۔ علامہ نے

شروع میں تو ٹال مٹول کی مگر جب دیکھا کہ میرا اشتیاق واقعی صادق ہے تو اُنہوں نے فرمایا اچھا! میں تم کو عربی ضرور پڑھاؤں گا، مگر پہلے ایک بات کا وعدہ کرو اور وہ یہ کہ تم اپنی عربی کے علم کو قرآن اور اسلام پر حملہ کرنے کے لیے استعمال نہیں کرو گے۔ اس کے جواب میں جب میں نے انہیں یقین دلایا کہ میں محض ایک طالب علم ہوں اور میرا مقصد علمی نقطہ نظر سے قرآن کا مطالعہ کرنا ہے تو علامہ راضی ہوگئے اور اب انہوں نے عربی پڑھانی شروع کی تو اس طرح کہ چند مہینوں میں جب تک موصوف کا وہاں قیام رہا، برسوں کی مسافت طے کرادی۔ علامہ مجھے صرف عربی نہیں پڑھاتے تھے بلکہ قرآن پر بھی لیکچر دیتے رہتے تھے۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ مجھ کو قرآن سے خاص شغف پیدا ہوگیا اور میں نے اُس کو اپنے مطالعہ اور تحقیق کا خاص موضوع بنانے کا فیصلہ کرلیا، علامہ صحیح معنی میں ابن بطوطہ وقت تھے۔ کسی ایک جگہ جم کر رہنا جانتے ہی نہ تھے چنانچہ چند ماہ کے بعد یہاں سے بھی روانہ ہوگئے۔ اب میں نے یہ کیا کہ ریڈیو پر قاہرہ سے عربی پروگرام بڑی پابندی سے سنتا تھا۔ میں نے عربی کے کلاسیکل لٹریچر کا از خود مطالعہ کیا۔ عربی کے تمام دواوین پڑھ ڈالے۔ قرآن اور حدیث کا مطالعہ کیا اور اس سلسلہ میں تاریخ اور فلسفہ کی کتابیں بھی کھنگال ڈالیں۔"

برصغیر میں بنارس کے رہنے والے مشہور ادیب مولانا عبدالمجید حریری نے موسیٰ جار اللہ سے ترکی زبان پڑھی تھی اور اُن کے فیض سے استفادہ کیا تھا۔ موسیٰ جار اللہ کافی عرصہ بنارس میں ان کے ہاں مہمان رہے تھے۔

حواشی

۱۔ شاہ معین الدین احمد ندوی، شذرات، ماہنامہ معارف (اعظم گڑھ)، جنوری ۱۹۵۰ء، ص ۳

۲۔ سعید احمد اکبر آبادی، دیار غرب کے مشاہدات و تأثرات، ماہنامہ برہان (دہلی)، ستمبر ۱۹۶۴ء، ص ۱۸۲

۳۔ موسیٰ جار اللہ، الوشیعہ [ترجمہ: شاہ محمد جعفر پھلواروی ندوی]، کراچی: عظمت صحابہؓ اکیڈمی (س-ن)، ص ۳۶

۴۔ "ریشمی رومال تحریک" کے لیے دیکھیے: حسین احمد مدنی، نقش حیات، جلد دوم، دیوبند: (۱۹۵۴ء)، سیّد محمد میاں، تحریک شیخ الہند، لاہور: مکتبہ رشیدیہ (۱۹۷۵ء)

۵۔ موسیٰ جار اللہ، امام عبیداللہ بن الاسلام سندھی، ماہنامہ جامعہ (دہلی)، دسمبر ۱۹۴۴ء، ص ۲۵-۲۶ نیز دیکھیے: ظفر حسن ایبک، خاطرات (آپ بیتی) [ترتیب: ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار]، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز (۱۹۹۰ء)، ص ۲۵۱-۲۵۳

۶- موسیٰ جار اللہ، پیش لفظ "الہام الرحمٰن فی تفسیر القرآن" [ترجمہ: ابوالعلاء محمد اسماعیل گودھروی]، ماہنامہ الرحیم (حیدر آباد - پاکستان)، نومبر ۱۹۶۴ء، ص ۷-۱۰
۷- خود مولانا عبید اللہ سندھی کو جزوی اختلافات کے باوجود علامہ اقبال سے تعلقِ خاطر تھا- دیکھیے: محمد اسلم (مرتب)، مولانا عبید اللہ سندھی کے سیاسی مکتوبات، لاہور: ندوۃ المصنّفین (س-ن)، ص ۸۱
۸- محمد حمزہ فاروقی، سفر نامہ اقبال، کراچی: مکتبہ معیار (۱۹۷۳ء)، ص ۱۷۰-۱۷۱
۹- ڈاکٹر ابواللیث صدیقی، ملفوظاتِ اقبال، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان (۱۹۷۷ء)، ص ۲۵۸، نیز دیکھیے: سید الطاف حسین کا مضمون، چند ملاقاتیں، ص ۲۰۷-۲۰۹
۱۰- عبد المجید حریری، موسیٰ جار اللہ کی بعض تصانیف، ماہنامہ معارف (اعظم گڑھ)، مارچ ۱۹۵۰ء، ص ۲۲۴
۱۱- ثروت صولت، موسیٰ جار اللہ، ماہنامہ المعارف (لاہور)، اکتوبر ۱۹۸۲ء، ص ۱۰
۱۲- مولانا ابوالعلاء اسماعیل گودھروی (م ۱۹۶۳ء) کا تعلق گجرات (کاٹھیاواڑ) کے ایک گاؤں گودھرا (ضلع پنج محل) سے تھا- مولانا نے تمام زندگی درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں گزاری- شاہ ولی اللہ دہلوی کے علوم و معارف سے اُنہیں خصوصی دلچسپی تھی- اسی حوالے سے مولانا عبید اللہ سندھی سے تعلق خاطر تھا- ۱۹۳۷ء میں جب زیارت حرمین سے مشرّف ہوئے تو مولانا سندھی سے بھی ملاقات کی- مولانا اسماعیل گودھروی نے شاہ ولی اللہ کی حیات پر ایک کتاب "شاہ ولی اللہ" لکھی ہے، جو متعدد بار شائع ہوئی ہے- اس کے علاوہ انہوں نے "حجتہ اللہ البالغہ" کا اردو ترجمہ بھی کیا جو شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور نے شائع کیا تھا- انہوں نے المسوّیٰ (شرح موطا) کا ترجمہ بھی کیا جو تاحال شائع نہیں ہو سکا-

مولانا گودھروی کے قلم سے علامہ ابن قیم کی تالیف "الجواب الکافی لمن سأل عن الدواء الشافی" کا ترجمہ "دوائے شافی" بھی یادگار ہے جو ادارہ تحقیقات اسلامی - اسلام آباد نے حال ہی میں دوسری بار شائع کیا ہے-
۱۳- محمد اجمل خان ایم-اے، ترتیب نزول قرآن مجید، دہلی: کتب خانہ عزیزیہ (۱۹۴۱ء)، ص ۱-۲
۱۴- ایضاً، ص ۲۷
۱۵- موسیٰ جار اللہ کا ایک مراسلہ، ماہنامہ ترجمان القرآن (پٹھان کوٹ)، جولائی - اگست ۱۹۴۴ء، ص ۸۱
۱۶- توشی ہیکو از تسو نہ صرف پہلے جاپانی فاضلِ اسلامیات ہیں بلکہ جاپانی مستشرقین میں وہ سب سے زیادہ معروف ہیں- از تسو نے جاپانی کے ساتھ انگریزی زبان میں تصنیف و تالیف کا کام کیا ہے- جاپانی زبان میں قرآن مجید کے عربی سے براہ راست تین ترجمہ ہوئے ہیں، ان میں سے ایک ڈاکٹر از تسو کی کاوش کا نتیجہ ہے- میک گِل یونیورسٹی کے علاوہ ایران میں بھی انہیں تدریس کا تجربہ حاصل ہے- دیکھیے: ماسا ماتکیشیا، Recent Islamic Sutdies in Japan، سہ ماہی التوحید (تہران)، مارچ - مئی ۱۹۸۹ء، ص ۱۳۳-۱۳۸
۱۷- سعید احمد اکبر آبادی، دیار غرب کے مشاہدات و تأثرات، ماہنامہ برہان (دہلی)، ستمبر ۱۹۶۴ء، ص ۱۸۲-۱۸۳